فہمیدہ ریاض ایک سیمابی شخصیت اور روایت شکن شاعرہ

Keywords: Essence & Peals, Red wine, Positive attitude, Star, Pioneer, authoratarian politics, selif-respect, Hormony, The flame of romance, Archetypal, Devine being, Iqlima, Mercury Heart, commandments, Blood Vamparism, Lyrical Music, Fudal Mentality.

ڈاکٹر مجیب اختر
شعبہ عربی، دہلی یونی ورسٹی، دہلی

Abstract: Fahmida Riaz is a poet of bold words and bold lips and accent, whose distinction has been to present women's and social issues with flawless words and poetic harmony and unique style of expression. Her poems are more mind than heart satisfaction. There is no doubt that his loud poems against religious, social and political exploitation shocked the literary world and challenged the supporters of ignorant traditionalism and authoritarian politics. She is known as a Pakistani poet, but has a deep connection with India; Because not only she was born in Meerut, but also established a relationship of academic and literary partnership with Jamia Millia Islamia during her exile. She also served as a distinguished faculty member. Highlighted the archetypal (identity), she sees the role and issues of

woman as connected with physical and spiritual devotion. In this article, an attempt has been made to highlight the different aspects and characteristics of her poetry with reference to several poems, that reflects her whole personality. Among his poetry collections, "Pathar ki Zuban,"Tum Kabeer" are worth mentioning. Poems such as 'soch', 'Khusbu', 'kabhi kabhi', 'Meri Chambeli ki narm khusbu', 'Bakirah', 'Ek Zan-e-Napak', Ishq Awarah Mizaj' 'Iqlima' and 'Kotwal betha hai' are prominent, which reflect her various ideas and thoughts.

....

سب شیشے، ساغر لعل و گہر
دامن میں چھپائے بیٹھی ہوں
سب ثابت و سالم ہیں اب تک
اک رنگ جمائے بیٹھی ہوں
یہ نازک موتی عزت کا
اور ایماں، کانچ کا یہ پتلا
یہ ساغر دل کا سرخ کنول
لبریز مئے احمر سے سدا

پتھراؤ تھا چوکھ اُن پر بھی
ٹکرائی تھی ان سے بھی دنیا
دونسوانی باہوں نے مگر
دیکھو ہر پتھر جھیل لیا

اردو شاعری میں ایجابی تانیثیت کی سرخیل، بے باک الفاظ اور بے باک لب

و لہجے کی علمبر دار فہمیدہ ریاض کی یہ نظم اُن کی زندگی اور شاعری کی ارتقائی تصویر ہے۔ نسائی اور معاشرتی مسائل کو بے لاگ الفاظ اور شعری خوبصورتی کے ساتھ بیان کرنا اُن کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اشعار انھوں نے تسکینِ دل سے زیادہ دماغ کو جلا بخشنے اور اصلاحِ حال کے لیے کہے۔ مذہبی، معاشرتی اور سیاسی استحصال کے خلاف اُن کی بلند آہنگ نظموں نے جہاں ادبی دنیا کو چونکایا، وہیں جاہلانہ روایت پرستی اور آمرانہ سیاست کے حامیوں کو چیلنج بھی کیا۔

اس مضمون میں فہمیدہ ریاض کو موضوعِ تحریر بنانے کی وجہ اُن کا ہندوستان سے گہرا تعلق ہے، نہ صرف میرٹھ میں پیدائش کا، بلکہ 1981 سے 1987 تک جلاوطنی کے دوران جامعہ ملیہ اسلامیہ سے علمی وادبی شراکت کا بھی۔ جہاں انھوں نے ایک معزز فیکلٹی ممبر کے طور پر تدریسی خدمات بھی انجام دیں۔ 1946 میں میرٹھ کی خاک سے اُٹھ کر 2018 میں لاہور کی خاک میں مل جانے والی اس مشت خاک نے اپنی 72 سالہ خاکی پیراہن میں نہ جانے کتنے ذروں کو آفتاب اور کتنے لمحوں کو تاریخ بنا ڈالا۔ احمد ندیم قاسمی کے مجلّے ''فنون'' جیسے آبی ذخیرے سے نکلنے والی شعروادب اور فکروفن کی یہ موج بلاخیز اپنے شعری مجموعوں ''پتھر کی زبان'' اور ''تم کبیر'' کے لمبے سفر کے دوران اتہام والزام کے نوکیلے پتھروں سے خود بھی زخمی ہوئیں اور خود پسندی واقتدار کے غرور سے ابھری ہوئی چٹانوں کے سینوں کو بھی چھلنی کیا۔ نوعمری سے ہی خوبصورت اور شاداب لہجے کی اس شاعرہ نے عام ڈگر سے ہٹ کر ضرورت والی شاعری کی، اپنے گرم لہو کا دیپ جلا کر اور دل کی کوری مٹی سے پھول کھلا کر شاعری کی۔ نسائیت کی عزتِ نفس کے تحفظ اور مظلوموں کے حقوق کی حمایت میں شاعری کی۔

فہمیدہ ریاض نے اپنے پہلے ہی شعری مجموعہ ''پتھر کی زبان'' میں یہ بات کہہ دی تھی کہ جب تک کوئی نظم اُن کو خود ہی مجبور نہ کردے کہ اسے وہ لکھیں، تب تک وہ کوئی نظم نہیں لکھیں گی اور اُن کا پورا شعری سرمایہ اُن کے اس عزم کا گواہ ہے۔ ابتدائی دور کی شاعری میں گو آہنگ دھیما ہے، لیکن آنے والے طوفان کی تپش موجود ہے۔ جوانی کا جوش، رومانیت کا آتشتہ نغمگی اور لہجے کی شفافیت اُس دور کی شاعری کے غالب عناصر

ہیں۔ ''سوچ''، ''خوشبو''، ''کبھی کبھی''، جیسی نظموں کے درمیان ''میری چمبیلی کی نرم خوشبو'' کا آہنگ ملاحظہ فرمائیں۔

میری چمبیلی کی نرم خوشبو
ہوا کے دھارے پہ بہہ رہی ہے
ہوا کے ہاتھوں میں کھیلتی ہے
تیرا بدن ڈھونڈنے چلی ہے
مری چمبیلی کی نرم خوشبو
مجھے تو زنجیر کر چکی ہے
الجھ گئی ہے کلائیوں میں
مرے گلے سے لپٹ گئی ہے
وہ رات کے کہر میں چھپی ہے
سیاہ خنکی میں رچ رہی ہے
گھنیرے پتوں میں سرسراتی
ترا بدن ڈھونڈنے چلی ہے

گزرتے دنوں کے ساتھ اُن کا انداز بے باک اور لہجہ براہ راست ہوتا گیا۔سعادت حسین منٹو اور عصمت چغتائی نے جن نسائی تجربات کو اردو نثر میں روایت شکن، صاف گوئی سے لکھ کر تہلکہ مچایا تھا، فہمیدہ ریاض نے اُن شجر ممنوعہ سمجھے جانے والے موضوعات اور دودھارے جنسی تجربات کو اشعار کے قالب میں ڈھال کر نفاق زدہ معاشرہ میں ہلچل مچادی۔دوسرے شعری مجموعہ ''بدن دریدہ'' کی کچھ نظمو ں کے عنوان، مثلاً ''باکرہ''، ''وہ ایک زنِ ناپاک'' اور ''عشق آوارہ مزاج'' سے کم فہموں نے فحش گوئی کا الزام عائد کردیا۔لیکن اُن کی یہ شاعری جیسا کہ اُن کے ناقدین کا الزام ہے، نہ علم الابدان کی منظوم داستان ہے اور نہ عریاں فلم کی اسکرپٹ، بلکہ اس کے برعکس عورت کو خدائی تکوین کے عین مطابق جبلت، رومانیت اور روحانیت کی معراج تک پہنچاتا ہے۔ بقول خالدہ حسین:

''فہمد یہ ریاض وہ پہلی شاعرہ ہے جس نے عورت کا آرکی ٹائپل، تشخص اجاگر کیا ہے، وہ عورت کے منصب و مسائل کو جسمانی و روحانی سرشاری کے ساتھ منسلک دیکھتی ہے۔ زندگی کے تسلسل کے لیے انسانی مادے کا کردار صرف جبلتی نہیں، بلکہ ایک ماورائی جہت بھی رکھتا ہے''۔

وہ مزید لکھتی ہیں:

''وہ پانچوں حواس کی شاعرہ ہے، رنگ، خوشبو، آواز، لمس اور ذائقہ اس کے اشعار میں ڈھرکتی تپش پیدا کرتے ہیں، یہ تپش کبھی حیات و موت کے درمیانی سطح پر لے جاتی ہے اور کبھی اس کی شاعری میں وہ حقیقتِ اولی ظاہر ہوتی ہے جو کبھی عدم اور کبھی ہست میں اپنی جھلک دکھاتی ہے''۔

فہمیدہ ریاض کی شاعری میں عورت نہ خود کو آدم کو جنت سے نکالنے کا گنہگار سمجھتی ہے اور نہ اپنے جسم کے نشیب و فراز پر شرمندہ ہے۔ وہ نہ صرف اپنی ذات پر مطمئن اور سرشار ہے، بلکہ اپنی اقلیمِ وجود پر فرخندہ و پرفخر بھی، جب کہ مشرق میں عورت کا جسم احساسِ جرم سے پامال اور مغرب میں اشتہاری جنس اور اشتہا و تجارت کا سامان ہے۔ حالاں کہ وہ اسے باشعور ہستی تسلیم کرانے پر مصر ہے۔ نظم اقلیما کے یہ بند پیش خدمت ہے:

اقلیما... جو ہابیل کی قابیل کی ماں جائی ہے
ماں جائی ہے مگر مختلف
وہ اپنے بدن کی قیدی
تپتی ہوئی دھوپ میں جلتے
ٹیلے پر کھڑی ہوئی ہے
پتھر پر نقش بنی ہے
اس نقش کو غور سے دیکھو
لمبی رانوں سے اوپر
ابھرے پستانوں سے اوپر

پیچیدہ کوکھ سے اوپر

اقلیما کا سر بھی ہے، اقلیما کا سر بھی ہے

عورت کی عزت اور آزادی کا بلند بانگ دعوی کرنے والی مغربی دنیا اس کی تحقیر وتذلیل کے لیے کیا کیا کھیل نہیں کھیلتی ہے جس میں ایک مقابلہ حسن بھی ہے۔قربانی کے بکروں کی تفتیش اور مول بھاؤ سے بھی زیادہ عورت کو برہنہ کرکے اس کے انگ انگ کی پیمائش، بے رحم اور بے حس اسکینگ اور اسکرننگ کے بدترین مراحل سے گزار کرا سے ذلت کے کانٹوں بھرا حسینۂ عالم کا تاج پہنانے کی رسم سے جو حضرات واقف ہیں، وہ فہمیدہ ریاض کی نظم ''مقابلہ حسن'' کی کاٹ اور نشتر کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

کولہوں میں بھنور جو ہیں تو کیا ہے
سر میں بھی ہے جستجو کا جوہر
تھا پارۂ دل بھی زیر پستاں
لیکن مرا مول ہے جوان پر
گھبرا کہ نہ یوں گریز پا ہو
پیمائش میری ختم ہو جب
اپنا بھی کوئی عضو ناپو

بے جا بندش اور قید و بند چاہے سماج کی ہو یا ارباب اقتدار کی، انھیں قبول کرنا ہمیشہ اُن کی فطرت کے خلاف ہے، یہاں تک کہ شاعری میں بھی قافیہ اور ردیف کی تنگ نائے سے خود کو آزاد رکھنے کے لیے غزل کے بجائے نظم معری او ر آزاد گوئی کو ترجیح دی۔یوں تو ظالمانہ پابندیوں، فتووں اور فرامین کے خلاف زندگی بھر نبرد آزما رہیں، لیکن جنرل ضیاء کی فوجی آمریت کے ساتھ ان کا ٹکراؤ ایک رزمیہ داستان ہے۔''کیا تم پورا چاند نہ دیکھو گے'' کے بے شمار صفحات اور مجموعۂ کلام ''ہم رکاب کی'' ''کوتوال بیٹھا ہے'' جیسی نظمیں جابروں کے جبر، محکوموں کی ذلت و بے بسی اور حریت پسندوں کی ہمت وشجاعت اور جان نثاری کی دل پزیر اور جاں فزا تاریخ ہے۔وہ کہتی ہیں:

میں اک رزمیہ لکھوں گی

جنگجو شہسواروں کی ٹاپوں سے دھمکتا

قیامت خیز طوفانوں سے گرجتا

بجلیوں کے کوڑے پھٹکاتا ہوا

خون آشام تلواروں کی جھنکار لیے

شعلے اور انگارے برساتا

میرا قلم اسے گائے گا

''کوتوال بیٹھا ہے''، یہ نظم آج کے جابرانہ نظام ،ظلم و بربریت ، اذیت رسانی ، زدوکوب ، جھوٹی گواہی اور آمرانہ نحوست کی عکاس ہے جس میں فہمیدہ ریاض نے قانون کی دھجیاں اڑانے والے اور آمریت پر فخر کرنے والے حکام کو چیلنج کیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ یہ قوانین کھوکھلے ہیں جن کے ذریعہ غریب وستم رسیدہ عوام کو نشانہ بنایا جاتا ہے، جس میں نہ ثبات ہے نہ تاثیر۔لہذا اس ظالمانہ نظام اور آمرانہ نحوست کے خلاف نبردآزما ہونے کی ضرورت ہے۔اس شاہکار نظم کے چند بند پر غور کریں:

کوتوال بیٹھا ہے

کیا بیان دیں اس کو

لوگ بیان دیتے ہیں

ہاں لکھو کہ سب سچ ہے

یہ کرو اضافہ اب

جب تلک ہے دم میں دم

پھر وہی کریں گے ہم

ہو سکا تو کچھ بڑھ کر

پھر وہ حرف لکھیں گے

چیتھڑا ہے یہ قانون

باغیوں کے قدموں کی

اس سے دھول جھاڑیں گے

آمری نحوست کی

قوموں کی تاریخ کا یہ ستم ظریفانہ مرثیہ ہے کہ وہ دوسروں کے انجام سے سبق نہیں لیتیں۔ پاکستان کی بدترین آمریت کے دور میں ہندوستان حریت افکار اور جمہوری اقدار کا گہوارہ ہوا کرتا تھا۔ انھیں دنوں محترمہ امریتا پریتم کے تعاون سے فہمیدہ ریاض کو جلا وطنی کے دوران ہندوستانی حکومت کی طرف سے میزبانی کی مراعات حاصل ہوئیں، لیکن یہ نوے کی دہائی سے پہلے کے حالات تھے۔ فرقہ پرست ہندوستانی تنظیم اور اس کی شر پسند شاخوں نے بابری مسجد کے بہانے بھارت کی گنگا جمنی تہذیب کو زہر آلود کرنا شروع کر دیا تھا۔ نوے کے دہے کے خاتمے تک بھارت خود بھی نفرت و عداوت کے بارود کا ڈھیر بن چکا تھا۔ 1996 میں ہندوستان کے سفر دوران جو تجربہ انھیں ہوا، اس کے پس منظر جو نظم انھوں نے پڑھی، اس کی معنویت اس دور میں مزید بڑھ گئی ہے۔ اس نظم میں خصوصا اور ان کی بیشتر نظموں میں ہندی کے خوبصورت استعمال نے جو شاید میرٹھ کی پیدائش اور دلی کی عارضی رہائش گاہ کا اثر ہے، اس کی اثر پزیری کئی گنا بڑھا دی ہے۔ آبِ زمزم اور گنگا جل سے گیندے کو گلاب کے ساتھ گوندھ کر فکر و خیال کے دھنک رنگ کا کمال دیکھئے:

تم بالکل ہم جیسے نکلے
اب تک کہاں چھپے تھے بھائی
وہ مورکھتا ہے وہ گھانوڑپن
جس میں ہم نے صدی گنوائی
آخر پہنچی دوار تمہارے
ارے بدھائی، بہت بدھائی
کون ہے ہندو کون نہیں ہے
تم بھی کروگے فتوے جاری
بھاڑ میں جائے شکشا وکشا
اب جاہل پن کے گن گانا
کیسا ویر مہان تھا بھارت

کیسا عالی شان تھا بھارت

فہمیدہ ریاض انحراف، احتجاج اور انقلاب کی شاعرہ یقیناً ہیں، لیکن انھوں نے زبان وبیان کی شگفتگی اور شعری موسیقیت سے سمجھوتا نہیں کیا۔ سماجی کمزوریوں او رجاگیردارانہ ذہنیت پر سنگ باری کے لیے انھوں نے گل ولالہ جیسے الفاظ سے ہیروں کا جگر کاٹنے کا کام کیا۔ دردِ دل اور دردِ دنیا کی واردات کو مامتا کی والہانہ پن اور سرجن کی جراحتی چابک دستی کے ساتھ اپنے اشعار میں سمویا۔ اُن پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک جگہ رام لال رقم طراز ہیں:

''لڑکی سے عورت اور عورت سے ماں بننے کے سفر میں جو تصویریں ''بدن دریدہ'' اور ''دھوپ'' کے زاویوں اور کرنوں میں ڈھلتی چلی جاتی ہیں، وہ ذاتی دھاردار اور ست رنگی ہیں۔ ذاتی اس حوالے سے کہ اس سے پہلے ایسی باتیں ہم نے کسی عورت کی زبان سے نہیں سنیں، دھاردار اس حوالے سے کہ ایسا بے باک لہجہ، ایسے بے باک خیالات کے جلو میں اس سے پہلے کسی نے اختیار نہیں کیا، اور ست رنگی اس حوالے سے کہ فہمیدہ نے ہر تجربے کو ہری بھری رُتوں، ساون کی بارشوں اور بہار کے حسن کی لذتوں اور منظروں کو گود میں پال کر جوان کیا ہے''۔ (رام لال، فہمیدہ ریاض بشمول دریچوں میں رکھے چراغ) (ادبی خاکے) شانتی نکیتن، لکھنؤ، صفحہ 295 سن 1991

فہمیدہ ریاض حال میں جینے کی حامی تھیں، ماضی اور مستقبل کے بلیک ہول سے ہراساں ہونے یا کرنے کے بجائے موجود لمحوں سے زندگی اور خوشی کشید کرنے پر ان کا یقین تھا۔ پہلی شادی ناکام ہوئی تو حسرت کے قفس میں قید رہنے کے بجائے ایک خود کفیل عورت کی حیثیت سے جینا شروع کر دیا۔ پھر دوسری شادی بھی کی اور کامیاب بچوں کی ماں بھی بنیں۔ زندگی کے آخری پڑاؤ میں ایک جوان بیٹے کی ناگہانی موت کا صدمہ بھی سہا، لیکن آپا نہیں کھویا، بلکہ اپنے وضع کردہ سنہرے اصولوں پر کاربند رہیں جس جھلک اس نظم میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے:

کچھ لوگ تمہیں سمجھائیں گے
وہ تم کو خوف دلائیں گے

جو ہے وہ بھی کھوسکتا ہے
تم اپنی کرنی کر گزرو
جو ہوگا دیکھا جائے گا۔

فہمیدہ ریاض، فیض احمد فیض اور حبیب جالب جیسے انقلابی شعراء ایک طرف اور پاکستان کا خیر نہ قبول کرنے والا خمیر دوسری طرف۔ عمر کے آخری حصے میں ان کے لہجے میں ٹھہراؤ سا آ گیا تھا، نظام سیاست و معاشرت کے صلاح قبول کرنے کی عدم صلاحیت سے تھوڑی دل برداشتہ تھیں۔ ''تم کبیر'' کی نظموں میں اس رجحان کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے، ان کی ایک نظم ہے

شاہ بکتے ہیں
فقیر بکتے ہیں
یہاں صغیر و کبیر بکتے ہیں
کچھ سر عام کچھ پس دیوار بکتے ہیں
اس شہر میں ضمیر بکتے ہیں
یہاں تہذیب بکتی ہے
یہاں فرمان بکتے ہیں
ذرا تم دام تو بدلو، یہاں ایمان بکتے ہیں

فہمیدہ ریاض کی زندگی، نظم و نثر، ترجے اور تحقیق کی اتنی جہتیں ہیں کہ اس سمندر کو تحریر کے اس کوزے میں بند کرنا ناممکن ہے اور نہ میرے جیسا کوزہ گر اس میں کامیاب ہوسکتا ہے۔

جو اپنی کہنی کہ گزری
تا عمر نہ ہرگز پچھتائی

****